سرسید احمد خان

(حالاتِ زندگی)

آپ کا اصل نام سید احمد خان تھا۔ وہ ۱۸۱۷ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ ان کے بزرگ شاہ جہاں کے زمانہ میں ہندوستان آئے اور اعلیٰ عہدوں پر فائز رہے۔ ان کے والد سید محمد تقی ایک درویش صفت انسان تھے۔ سرسید کی والدہ دین دار اور باشعور خاتون تھیں۔ انھوں نے اپنے بیٹے کی بہت اچھی تربیت کی۔ ان کو اپنے والد کے تعلق کی بناء پر مرزا غالب کی قربت حاصل تھی اس طرح اُنھیں اپنے دور کے اہل علم حضرات سے علم حاصل کرنے کا موقع بھی ملا۔

سرسید نے ۱۸۳۸ء میں سرکاری ملازمت اختیار کی اور مختلف عہدوں پر خدمات سرانجام دیتے ہوئے ''سب جج'' کے منصب تک جا پہنچے۔ ۱۸۷۷ء میں انھوں نے علی گڑھ کالج کی بنیاد رکھی۔ بعد میں یہی کالج ترقی کر کے یونیورسٹی میں تبدیل ہوا جو آج تک قائم ہے۔ اس کالج کے طلبہ نے آزادی اور ملکی ترقی میں اہم کردار ادا کیا۔ ان کی دیگر خدمات میں رسالہ ''تہذیب الاخلاق'' کا اجراء بھی ہے، جس میں مذہبی، قومی، اخلاقی اور سیاسی موضوعات پر مفید مضامین شائع ہوتے تھے۔

سرسید ایک ہمدرد دل لے کر پیدا ہوئے تھے۔ وہ نہ صرف مصلح قوم، عالمِ دین اور سیاسی رہنما تھے بلکہ اُردو ادب کے محسن بھی تھے۔ انھوں نے دبستانِ سرسید کی بنیاد ڈالی۔ جس میں حالی، شبلی، نذیر احمد، محمد حسین آزاد، نواب محسن الملک اور وقار الملک جیسے عالم و فاضل شامل تھے۔ ان کی تحریروں میں سادگی، روانی اور بے ساختہ پن پایا جاتا ہے۔ وہ بات کو اُلجھا کر بیان نہیں کرتے بلکہ سیدھے سادھے انداز میں بیان کرتے ہیں۔ جس طرح عام لوگ گفتگو کرتے ہیں وہ اس طرح لکھتے جاتے ہیں۔ اُن کے بعض فقرے بے حد طویل اور بعض بالکل مختصر ہوتے ہیں۔ مگر ان میں سادگی کے ساتھ ادبی حسن بھی پایا جاتا ہے۔ ''آثار الصنادید''، رسالہ ''اسبابِ بغاوتِ ہند''، جامِ جم، کلمۃ الحق اور خطباتِ احمدیہ، ان کی اہم تصانیف ہیں۔ برطانوی حکومت نے انھیں ان کی علمی، ادبی اور سماجی خدمات کے صلے میں ''سر'' کا خطاب عطا کیا۔ اُن کا انتقال ۱۸۹۸ء میں علی گڑھ میں ہوا۔

گزرا ہوا زمانہ

(سرسید احمد خان)

مقاصدِ تدریس

- طلبہ کو فنِ نثر نگاری سے متعارف کرانا۔
- اُردو ادب میں نثر نگاری کی روایت بتانا۔
- اُردو زبان کے لیے سرسید احمد خان کی خدمات سے طلبہ کو آگاہی دینا۔
- سرسید احمد خان کے اسلوبِ نثر سے متعارف کروانا۔

الفاظ و تراکیب

ڈراؤنی رات	رسیلی آنکھیں	ٹٹول ٹٹول کر	کج خلقی	سڈول ڈیل
اکیلا پن	اُدھیڑپن	جوبن	بے مروتی	سعی

برس کی آخیر رات کو ایک بڈھا اپنے اندھیرے گھر میں اکیلا بیٹھا ہے۔ رات بھی ڈراؤنی اور اندھیری ہے۔ گھٹا چھا رہی ہے۔ بجلی تڑپ تڑپ کر کڑکتی ہے، آندھی بڑے زور سے چلتی ہے دل کانپتا ہے اور دم گھبراتا ہے۔ بڈھا نہایت غمگین ہے، مگر اُس کا غم نہ اندھیرے گھر پر ہے، نہ اکیلے پن پر، نہ اندھیری رات اور بجلی کی کڑک پر اور نہ آندھی کی گونج پر اور نہ برس کی آخیر رات پر۔ وہ اپنے پچھلے زمانے کو یاد کرتا ہے اور جتنا زیادہ یاد آتا ہے اتنا ہی غم بڑھتا ہے۔ ہاتھوں سے ڈھکے ہوئے منہ پر آنکھوں سے آنسو بھی بہے چلے جاتے ہیں۔

پچھلا زمانہ اُس کی آنکھوں کے سامنے پھرتا ہے۔ اپنا لڑکپن اُس کو یاد آتا ہے، جب کہ اس کو کسی چیز کا غم اور کسی بات کی فکر دل میں نہ تھی۔ روپیہ اشرفی کے بدلے، ریوڑی اور مٹھائی اچھی لگتی تھی۔ سارا گھر ماں باپ، بھائی بہن اس کو پیار کرتے تھے۔ پڑھنے کے لیے چھٹی کا وقت جلد آنے کی خوشی میں کتابیں بغل میں لے مکتب میں چلا جاتا تھا۔ مکتب کا خیال آتے ہی اس کو اپنے ہم مکتب یاد آتے تھے۔ وہ اور زیادہ غمگین ہوتا تھا اور بے اختیار چلا اٹھتا تھا "ہائے وقت، ہائے وقت! گزرے ہوئے زمانے! افسوس کہ میں نے تجھے بہت دیر میں یاد کیا"۔

پھر وہ اپنی جوانی کا زمانہ یاد کرتا تھا۔ اپنا سرخ سفید چہرہ، سڈول ڈیل، بھرا بھرا بدن، رسیلی آنکھیں موتی کی لڑی سے دانت، امنگ میں بھرا ہوا دل، جذبات انسانی کے جوشوں کی خوشی اسے یاد آتی تھی۔ اس آنکھوں میں اندھیرا چھائے ہوئے زمانے میں ماں باپ جو نصیحت کرتے تھے اور نیکی کی بات بتاتے تھے اور یہ کہتا تھا کہ "آہ ابھی بہت وقت ہے" اور بڑھاپے کے آنے کا کبھی خیال بھی نہ کرتا تھا۔ اس کو یاد آتا تھا اور افسوس کرتا تھا کہ کیا اچھا ہوتا اگر جب ہی میں اس وقت کا خیال کرتا اور نیکی سے اپنے دل کو سنوارتا اور موت کے لیے تیار رہتا۔

آہ وقت گزر گیا! آہ وقت گزر گیا! اب پچھتائے کیا ہوتا ہے۔ افسوس میں نے آپ اپنے تئیں ہمیشہ یہ کہہ کر برباد کیا کہ ''ابھی وقت بہت ہے''۔

یہ کہہ کر وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور ٹٹول ٹٹول کر کھڑکی تک آیا۔ کھڑکی کھولی، دیکھا کہ رات ویسی ہی ڈراؤنی ہے، اندھیری گھٹا چھا رہی ہے، بجلی کی کڑک سے دل پھٹا جاتا ہے، ہولناک آندھی چل رہی ہے، درختوں کے پتے اڑتے ہیں اور ٹہنیاں ٹوٹتی ہیں، تب وہ چلاّ کر بولا ''ہائے ہائے میری گزری ہوئی زندگی بھی ایسی ہی ڈراؤنی ہے جیسی یہ رات''۔ یہ کہہ کر پھر اپنی جگہ آبیٹھا۔

اتنے میں اس کو اپنے ماں باپ، بھائی بہن، دوست آشنا یاد آئے جن کی ہڈیاں قبروں میں گل کر خاک ہو چکی تھیں۔ ماں گویا محبت سے اس کو چھاتی سے لگائے آنکھوں میں آنسو بھرے کھڑی ہے۔ یہ کہتی ہوئی کہ ہائے بیٹا! وقت گزر گیا۔ باپ کا نورانی چہرہ اس کے سامنے ہے اور اس میں یہ آواز آتی ہے کہ کیوں بیٹا! ہم تمہارے ہی بھلے کے لیے نہ کہتے تھے؟ بھائی بہن دانتوں میں انگلی دیئے ہوئے خاموش ہیں اور ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑی جاری ہے۔ دوست آشنا سب غمگین کھڑے ہیں اور کہتے ہیں کہ اب ہم کیا کر سکتے ہیں؟

ایسی حالت میں اس کو اپنی وہ باتیں یاد آتی ہیں جو اس نے نہایت بے پروائی اور بے مروتی اور کج خلقی سے اپنے ماں باپ، بھائی بہن، دوست آشنا کے ساتھ برتی تھیں۔ ماں کو رنجیدہ رکھنا، باپ کو ناراض کرنا، بھائی بہن سے بے مروت رہنا، دوست آشنا کے ساتھ ہمدردی نہ کرنا یاد آتا تھا اور اس پر ان گلی ہڈیوں میں سے ایسی محبت کا دیکھنا اس کے دل کو پاش پاش کرتا تھا۔ اس کا دم چھاتی میں گھٹ جاتا تھا اور یہ کہہ کر چلا اٹھتا تھا کہ ''ہائے وقت نکل گیا، ہائے وقت نکل گیا، اب کیوں کر اس کا بدلہ ہو''

وہ گھبرا کر پھر کھڑکی کی طرف دوڑا اور ٹکراتا لڑکھڑاتا کھڑکی تک پہنچا۔ اس کو کھولا اور دیکھا کہ ہوا کچھ ٹھہری ہے اور بجلی کی کڑک کچھ تھمی ہے۔ پر رات ویسی ہی اندھیری ہے۔ اس کی گھبراہٹ کچھ کم ہوئی اور پھر اپنی جگہ آبیٹھا۔

اتنے میں اس کو اپنا ادھیڑ پنا یاد آیا جس میں نہ وہ جوانی رہی تھی اور نہ وہ جوانی کا جوبن، نہ وہ دل رہا تھا اور نہ دل کے ولولوں کا جوش۔ اس نے اپنی اس نیکی کے زمانے کو یاد کیا جس میں وہ بہ نسبت بدی کے نیکی کی طرف زیادہ مائل تھا۔ وہ اپنا روزہ رکھنا، نمازیں پڑھنی، حج کرنا، زکوٰۃ دینی، بھوکوں کو کھلانا، مسجدیں اور کنوئیں بنوانا یاد کر کے اپنے دل کو تسلی دیتا تھا۔ فقیروں اور درویشوں کو جن کی خدمت کی تھی، اپنے پیروں کو جن سے بیعت کی تھی اپنی مدد کو پکارتا تھا، مگر دل کی بے قراری نہیں جاتی تھی۔ وہ دیکھتا تھا کہ اس کے ذاتی اعمال کا اسی تک خاتمہ ہے۔ بھوکے پھر ویسے ہی بھوکے ہیں،

مسجدیں ٹوٹ کر یا تو کھنڈر ہیں اور یا پھر ویسے ہی جنگل ہیں۔ کنوئیں اندھے پڑے ہیں۔ نہ پیر اور نہ فقیر، کوئی اس کی آواز نہیں سنتا اور نہ مدد کرتا ہے۔ اس کا دل پھر گھبراتا ہے اور سوچتا ہے کہ میں نے کیا کیا جو تمام فانی چیزوں پر دل لگایا۔ یہ پچھلی سمجھ پہلے ہی کیوں نہ سوجھی، اب کچھ بس نہیں چلتا اور پھر یہ کہہ کر چلا اٹھا ''ہائے وقت، ہائے وقت! میں نے تجھ کو کیوں کھودیا؟''

وہ گھبرا کر پھر کھڑکی کی طرف دوڑا۔ اس کے پٹ کھولے تو دیکھا کہ آسمان صاف ہے، آندھی تھم گئی ہے، گھٹا کھل گئی ہے، تارے نکل آئے ہیں، ان کی چمک سے اندھیرا بھی کچھ کم ہوگیا ہے۔ وہ دل بہلانے کے لیے تاروں بھری رات کو دیکھ رہا تھا کہ یکا یک اس کو آسمان کے بیچ میں ایک روشنی دکھائی دی اور اس میں ایک خوبصورت دلہن نظر آئی۔ اس نے ٹکٹکی باندھ کر اسے دیکھنا شروع کیا۔ جوں جوں وہ اسے دیکھتا تھا وہ قریب ہوتی جاتی تھی، یہاں تک کہ وہ اس کے بہت پاس آگئی۔ وہ اس کے حسن و جمال کو دیکھ کر حیران ہوگیا اور نہایت پاک دل اور محبت کے لہجے میں اس سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ وہ بولی کہ میں ہمیشہ زندہ رہنے والی نیکی ہوں۔ اس نے پوچھا کہ تمہاری تسخیر کا بھی کوئی عمل ہے؟ وہ بولی ہاں ہے، نہایت آسان پر بہت مشکل۔ جو کوئی اللہ کے فرض کو اس بدوی کی طرح جس نے کہا کہ ''وَاللّٰہِ لاَ اَزِیۡدُ عَلٰی ھٰذَا وَلاَ اَنۡقُصُ''☆ ادا کر کے انسان کی بھلائی اور اس کی بہتری میں سعی کرے اس کی میں مسخر ہوتی ہوں۔ دنیا میں کوئی چیز ہمیشہ رہنے والی نہیں ہے، انسان ہی ایسی چیز ہے جو آخیر تک رہے گا۔ پس جو بھلائی انسان کی بہتری کے لیے کی جاتی ہے وہی نسل در نسل آخیر تک چلی آتی ہے۔ نماز، روزہ، حج، زکواۃ اسی تک ختم ہوجاتا ہے۔ اس کی موت ان سب چیزوں کو ختم کردیتی ہے۔ مادی چیزیں بھی چند روز میں فنا ہوجاتی ہیں، مگر انسان کی بھلائی آخیر تک جاری رہتی ہے۔ میں تمام انسانوں کی روح ہوں، جو مجھ کو تسخیر کرنا چاہے انسان کی بھلائی میں کوشش کرے، کم سے کم اپنی قوم کی بھلائی میں دل و جان و مال سے ساعی ہو۔ یہ کہہ کر وہ دلہن غائب ہوگئی اور بڈھا پھر اپنی جگہ آبیٹھا۔

اب پھر اس نے اپنا پچھلا زمانہ یاد کیا اور دیکھا کہ اس نے اپنی پچپن برس کی عمر میں کوئی کام بھی انسان کی بھلائی اور کم سے کم اپنی، قومی بھلائی کا نہیں کیا تھا۔ اس کے تمام کام ذاتی اغراض پر مبنی تھے۔ نیک کام جو کیے تھے ثواب کے لالچ اور گویا اللہ کو رشوت دینے کی نظر سے کیے تھے۔ خاص قومی بھلائی کی خالص نیت سے کچھ بھی نہیں کیا تھا۔

اپنا حال سوچ کر وہ اس دلفریب دلہن کے ملنے سے مایوس ہوا۔ اپنا آخیر زمانہ دیکھ کر آئندہ کرنے کی بھی کچھ امید نہ پائی، تب وہ نہایت مایوسی کی حالت میں بے قرار ہوکر چلا اٹھا ''ہائے وقت، ہائے وقت، کیا پھر تجھے میں بُلا سکتا ہوں؟

☆ ترجمہ: اللہ کی قسم میں اس پر نہ اضافہ کروں گا اور نہ اس میں کمی کروں گا۔

ہائے میں دس ہزار دینار دیتا اگر وقت پھر آتا اور میں جوان ہوسکتا"۔ یہ کہہ کر اس نے ایک آہ سرد بھری اور بے ہوش ہوگیا۔

تھوڑی دیر نہ گزری تھی کہ اس کے کانوں میں میٹھی میٹھی باتوں کی آواز آنے لگی۔ اس کی پیاری ماں اس کے پاس آ کھڑی ہوئی، اس کو گلے لگا کر پیار کیا۔ اس کا باپ اس کو دکھائی دیا۔ چھوٹے چھوٹے بھائی بہن اس کے گرد آ کھڑے ہوئے۔ ماں نے کہا کہ بیٹا کیوں برس کے برس دن روتا ہے؟ کیوں تو بے قرار ہے؟ کس لیے تیری ہچکی بندھ گئی ہے؟ اٹھ منہ ہاتھ دھو، کپڑے پہن، نوروز کی خوشی منا، تیرے بھائی بہن تیرے منتظر کھڑے ہیں۔ تب وہ لڑکا جاگا اور سمجھا کہ میں نے خواب دیکھا اور خواب میں بڈھا ہوگیا تھا۔ اس نے اپنا سارا خواب اپنی ماں سے کہا۔ اس نے سن کر اس کو جواب دیا کہ بیٹا بس تو ایسا مت کر جیسا اس پشیمان بڈھے نے کیا، بلکہ ایسا کر جیسا تیری دلہن نے تجھ سے کہا۔

یہ سن کر وہ لڑکا پلنگ پر سے کود پڑا اور نہایت خوشی سے پکارا کہ، او یہی میری زندگی کا پہلا دن ہے، میں کبھی اس بڈھے کی طرح نہ پچھتاؤں گا اور ضرور اس دلہن کو بیاہوں گا جس نے ایسا خوبصورت اپنا چہرہ مجھ کو دکھلایا اور ہمیشہ زندہ رہنے والی نیکی اپنا نام بتلایا۔ اواللہ، اواللہ، تو میری مدد کر، آمین!"

پس اے میرے پیارے نوجوان ہم وطنو، اور اے میری قوم کے بچو! اپنی قوم کی بھلائی پر کوشش کرو، تاکہ آخیر وقت میں اس بڈھے کی طرح نہ پچھتاؤ، ہمارا زمانہ تو آخیر ہے، اب اللہ سے یہ دعا ہے کہ کوئی نوجوان اٹھے اور اپنی قوم کی بھلائی میں کوشش کرے۔ آمین!

(مضامین سرسید مرتبہ ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار)

مشق

ا) مندرجہ ذیل سوالات کے مختصر جوابات دیں۔

الف) جب بڈھے کو پچھلا زمانہ یاد آتا تھا تو وہ کیسا محسوس کرتا تھا؟

ب) بڈھے نے اپنی زندگی کو ایک ڈراؤنی رات سے کیوں تشبیہ دی؟

ج) بڈھے کو جوانی میں ماں باپ کس قسم کی نصیحت کرتے تھے؟

د) مصنف سبق کے آخر میں کیا رائے قائم کرتا ہے؟

ہ) نثر پارہ "گزرا ہوا زمانہ" سے آپ کیا سبق حاصل کرتے ہیں؟

۲) متن کی روشنی میں درست جواب کا انتخاب کریں۔

الف) بڈھے کی غمگین ہونے کی وجہ ہے۔

(i) اکیلا پن (ii) اندھیری رات

(iii) بجلی کی کڑک (iv) ان میں سے کوئی بھی نہیں۔

ب) ''گزرا ہوا زمانہ'' تصنیف ہے۔

(i) ڈاکٹر عبادت بریلوی (ii) سر سید احمد خان

(iii) ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان (iv) ڈاکٹر سید عبداللہ

ج) جب بڈھا دل بہلانے کے لیے تاروں بھری رات دیکھ رہا تھا تو یکا یک اس کو دکھائی دی۔

(i) روشنی (ii) تارے

(iii) چاند (iv) ان میں سے کوئی بھی نہیں

د) بڈھے کی عمر ہے۔

(i) ترپن برس (ii) پچپن برس

(iii) ستاون برس (iv) اُنسٹھ برس

ہ) انسان کے آخر دم تک رہنے والا عمل اُس کی!

(i) عبادت ہے (ii) ہمدردی ہے

(iii) بھلائی ہے (iv) نیکی ہے

۳) متن کے مطابق دُرست کی نشاندہی علامت (✓) سے اور غلط کی علامت (✗) سے کریں۔

الف) بڈھا بڑھاپے میں لڑکپن کے مقابلے میں ہر قسم کی پریشانیوں سے آزاد ہوتا تھا۔

ب) بڈھا اپنے کمرے میں بیوی بچوں کے ساتھ بیٹھا تھا۔

ج) بڈھے نے تمام نیک کام ثواب کی لالچ میں کیے۔

د) اُس کے تمام کام ذاتی اغراض پر مبنی تھے۔

ہ) لڑکا دراصل خواب دیکھ رہا تھا۔

۴) متن کے مطابق کالم (الف) کا مقابلہ کالم (ب) کے متعلقہ الفاظ سے کر کے جواب کالم (ج) میں لکھیں۔

(الف)	(ب)	(ج)
بجلی	چلنا	....
دل	چھانا	....
دم	کڑکنا	....
گھٹا	جلنا	....
آندھی	کانپنا	....
	گھٹنا	....

۵) سبق کا خلاصہ اپنے الفاظ میں لکھیں۔

۷) درج ذیل پیراگراف کی سیاق وسباق کے حوالے سے تشریح کریں۔

اتنے میں اُس کو اپنے ماں باپ ....اب ہم کیا کر سکتے ہیں۔

۸) اگر آپ بڈھے کی جگہ ہوتے تو کیا سوچتے؟

۹) بڈھے کے بچپن اور بڑھاپے کا موازنہ کریں۔

۱۰) درج ذیل الفاظ وتراکیب کے معانی لکھ کر جملوں میں استعمال کریں۔

ڈراؤنی رات۔ کج خلقی۔ اُدھیڑپن۔ گھٹا۔ بے مروتی

سرگرمیاں

۱) اساتذہ کرام کمرہ جماعت میں طلبہ کو مختلف موضوعات پر کہانیاں، مکالمے سُنا کر اُن سے ان کی جزئیات کو ترتیب سے یاد رکھنے کا کہہ کر بعدازاں اُن سے لکھوائیں۔

۲) کوئی بھی کہانی/مضمون/مکالمہ درمیان سے شروع کر کے طلبہ سے اس کے سیاق وسباق کو سمجھا کر لکھوائیں۔

۳) اساتذہ کرام کمرہ جماعت میں سرسید احمد خان کے چند دیگر مضامین بھی طلبہ کو سنائیں۔

اشاراتِ سبق

۱) اساتذہ کرام طلبہ کو فنِ نثر نگاری کے مختلف لوازمات پر سیر حاصل لیکچر دیں۔

۲) اُردو زبان وادب میں سرسید احمد خان کے مقام پر بحث کریں۔

۳) طلبہ کو سرسید احمد خان کی نثری خصوصیات کے مختلف پہلوؤں کے بارے میں بتائیں۔